Tauseeq, Volume. 5, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v5i2.1

Received: 06-08-2024
Accepted: 15-11-2024
Published: 31-12-2024

ناول "چلتا مسافر" میں شناختی بحران کی عکاسی: نوآبادیاتی اثرات کے تناظر میں

Reflection of Identity Crisis in the Novel "*Chalta Musafir*": In Perspective of Colonial Impact

شمائلہ اقبال*

ڈاکٹر محمد حامد

Abstract:

The article under study presents an analysis of the colonial impacts on the post-colonial sub-continent in the light of the novel "*Chalta Musafir*" written by Altaf Fatima. The migrants of 1947 had to go through so many political and social problems. The novel has shown these impacts by depicting the life journey of Muslims of district Bihaar who migrated to East Pakistan during the partition of India. The research method used in the article is qualitative applying the technique of content analysis. Contents of the novel have been analyzed in the light of the impacts of the colonialism which resulted in the 'loss of identity' to the Bihaari migrants. Muzammil (and his family) has lost all the factors of identity i.e. the land, the property and the country. He was an Indian Muslim first (till 1947); then a Pakistani at East Pakistan (till 1971), and then a Bihaari Muhajir at Bangla Desh (after 1971). He lost his life in this journey and his son is going through an unending struggle in search of regaining the identity.

* پی ایچ ڈی سکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج زروبی، صوابی

Keywords: Colonialism, Post-Colonialism, Freedom, Hindu, Muslim, Bihaari Muhajir, Pakistan, Bangla Desh.

انسانی زندگی کی تاریخ بے شمار گونا گونیوں سے بھری پڑی ہے۔انسان روئے زمین پر عقل و فکر رکھنے والی بہترین مخلوق ہے۔یہی انسان تاریخ میں ظالم بھی رہاہےاور مظلوم بھی،اور بہت سے مواقع پر خاموش تماشائی بھی۔انسان ابتدائے آفرینش سے خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہاہے۔اسے کسی پَل قرار نہیں،وہ ہر لمحے کچھ نیا کرنے پر تُلا ہوا نظر آتا ہے۔ تبھی تو غاروں میں پناہ کی تلاش کرنے والے اور ہر لمحے ناگہانی مرگ کے خوف میں مبتلا رہنے والے انسان کا بچہ ستاروں پر کمندیں ڈال رہاہے۔وہ فضائے بسیط میں اپنے سیارے اڑارہاہے،چاند پر چہل قدمی کی تیاری کر رہاہےاور رہائش کے لیے اجرامِ فلکی پر نئے مساکن تلاش کر رہاہے۔

لیکن اسی انسان کادوسرا چہرہ دیکھا جائے توبقول فراز

ے بستیاں چاند ستاروں پہ بسانے والو

کرۂ ارض پر بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

زمین کے پوت انسان نے اپنے دیگر ہم مسکنوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے۔اس گھر کو گھر کے چراغ سے ایسی آگ لگی ہوئی ہے کہ بجھنے میں آہی نہیں رہی ہے۔انسان کی زمین کی بھوک اور وسائل پر قبضے کی تاریخ اتنی طویل ہے جتنی کہ انسان کی آفرینش کی تاریخ۔شروع دن سے یہ چھینا جھپٹی کا کھیل اور طاقت کے داؤ وگھات مسلسل جاری ہیں اور وقت کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں۔انسان کے علم وحلم اور برداشت وہمدردی کے سارے دعوے ہوامیں اڑتے نظر آتے ہیں۔انسان کاہر دعوی اکثر جنگ۔زر گری کاایک نیاداؤثابت ہوتاہے۔

ماضی بعید سے شروع ہوئی وسائل پر قبضے کی تاریخ آج بھی پورے زور شور سے جاری ہے۔آج کاانسان بھی آسائش کی لالچ میں اتنا ہی اندھاہے جتنا ابتدائی انسان، بلکہ موجودہ ترقی یافتہ انسان کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گیاہے۔ کہیں ترقی کے نام پر استحصال جاری ہے تو کہیں آزادی کے نام پر۔ کہیں وطن کا حیلہ چل رہاہے تو کہیں مذہب کا کارڈ استعمال ہورہاہے۔نام کوئی بھی ہو کام وہی وسائل کی جنگ ہی ہے۔ انسان کو جہاں کہیں موقع ملتاہے اپنے ہاتھ پیر پھیلاتاہے اور دوسرے انسانوں یا مخلوقات کی دنیا تنگ کرتاہے۔اسے اپنے حصے پر صبر کبھی آتا

ہی نہیں۔کمزور کے حصے کو دبانے کا نشہ آج بھی منہ زور ہے۔اس عمل کو جنگ ِوسائل کا نام دیا جائے، سامراج کا نام دیا جائے، نوآبادیت کا نام دیا جائے یا کوئی اور، حقیقت ایک ہی ہے۔

نوآبادیت کی جڑیں تاریخ میں بہت دور تک پیوست ہیں۔ڈاکٹر روش ندیم انسانی تمدن کے ارتقا میں اس کی تلاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جائیداد سے خاندان وطبقات اور طاقت واستحصال کی تشکیل ہوئی جس کی بنیاد پر ریاست کا متشدد ادارہ وجود میں آیا، بادشاہ، حکمران اور سپہ سالار بنے، جس سے فوج، پولیس، آئین، عدالتیں، ہتھیار اور نقل و حمل ، رسل و رسائل پر مشتمل معاون آلات اور قانون و ضوابط کے الٰہیاتی و ریاستی نظام کی تشکیل ہوئی۔ جنگی واستحصالی افکار و تصورات وضع ہوئے۔(ص۱۰)محبِ قوم، وطن پرست، شہید، بہادر اور نیک جیسے تصورات سامنے آئے۔اور یوں حملے، قبضے، فتوحات سب ریاستی ومذہبی سطح پر مقدس ہو گئے۔ اس طرح سے ایک پورا سماجی نظام وضع ہو گیا جس سے جاگیر دارانہ دور سے سرمایہ دارانہ دور تک،اور زرعی عہد سے مشینی عہد کی نوآبادیاتی شکلوں اور طریقوں کا ارتقا ہوا۔اس سامراجی استحصال کے لیے مقدس، فلسفیانہ، قومی ومذہبی جواز بنائے گئے۔زبان، رنگ، نسل، مذہب، فرقہ، تہذیب حتیٰ کہ ظلم ،لوٹ مار، تشدد، بد عنوانی اور استحصال ہی کو جواز بنا کر حملے ،قبضے ،لوٹ مار، فتوحات، نوآبادیت، استعماریت اور سامراجیت کے لیے راستے بنائے گئے۔تہذیبی تاریخ کے تینوں بڑے ادوار یعنی غلام داریت، جاگیر داریت اور سرمایہ داریت کے زمانوں میں نوآبادیات کی اپنی اپنی شکلیں رہیں۔"(۱)

نوآبادیت کی اصطلاح انگریزی لفظ Colonialism کا مترادف ہے۔Colony کا لفظ انگریزی میں اس ملک یا علاقے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اور ملک کے لوگوں کے زیرِ تسلط ہو(اس کے لیے اردو میں 'نوآبادی' اور 'نوآبادیات' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے)۔

> "Colony: a country or an area settled and controlled by people from another country, sometimes by force." (۲)

اسی طرح Colonialism کی تعریف و وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"The term colony comes from the Latin word colonus, meaning farmer. This root reminds us that the practice of colonialism usually involved the transfer of population to a new territory, where the arrivals lived as permanent settlers while maintaining political allegiance to their country of origin." (۳)

مراد یہ کہ کالونیلزم کا مطلب کسی اور ملک یا علاقے پر تسلط حاصل کرکے وہاں کے وسائل، انسانی بھی اور غیر انسانی بھی، پر قبضہ کرنا ہے۔

"Colonialism is the practice of one country taking full or partial political control of another country and occupying it with settlers for purposes of profiting from its resources and economy."(۴)

لرکے وہاں

اپنی حکومت قائم کرتا ہے اور ادھر ہی رہائش بھی اختیار کرلیتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں نوآباد کار کسی ملک پر قبضہ کرکے وہاں حکومت کرتے ہیں لیکن اس جگہ کو اپنا وطن نہیں بناتے۔ وہاں وہ صرف بطور حاکم رہتے ہیں۔

"There have been two main forms of modern colonialism. In the first, inhabitants of one country establish colonies in another country, often in the process displacing or even exterminating the indigenous inhabitants of that country. This was the case, for instance, with the British colonies in North America, Australia, and New Zealand.... The other form of modern colonialism is closer to the old Roman model. Here a superior power incorporates, usually by conquest, peoples of different ethnicities and levels of development. Examples of this form would include

the European colonization of much of Asia, Africa, and the Pacific in the eighteenth and nineteenth centuries." (۵)

نوآبادیت کی یہ دونوں قسمیں وسائل پر قبضے سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلی قسم میں غالب قوم دوسری قوم کے علاقے پر قبضہ کر کے ادھر خود بھی آباد ہو جاتی ہے۔ مغلوب قوم کے افراد اپنے علاقے اور زمینوں پر قبضہ کھو دیتے ہیں، وہ غالب لوگوں کے مزارع اور غلام بن جاتے ہیں۔ اس کی مثال امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ ہیں۔ دوسری قسم کی مثال ہندوستان ہے جس میں غالب قوم مغلوب قوم کے علاقے پر وسائل کے حصول کے لیے قبضہ کر لیتی ہے۔ وہ اس علاقے میں صرف حاکمیت کے لیے جاتے ہیں، لیکن اس مقام کو اپنا مستقل مسکن نہیں بناتے۔

نوآبادیت اور سامراجیت کی تاریخ سے ایک نکتہ واضح ہے کہ نوآبادکار ہمیشہ نوآبادی سے زیادہ طاقتور اور علم یافتہ و ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ تبھی وہ اپنی نوآبادی کو برقرار رکھتے ہیں اور ان کی زبان، معاشرت، ثقافت، اقدار و عقائد سب کو متاثر کرتے ہیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب عرب طاقت و علم میں آگے تھے تو وہ افریقہ و سپین میں نوآبادی قائم کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ اسی طرح جب علم و عمل کا طوطی یورپ کے ہاتھ آیا تو یورپی اقوام دنیا بھر میں نوآبادیاں قائم کرنے لگیں۔ ان کی نوآبادیاں امریکہ، افریقہ، ایشیا اور آسٹریلیا ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ دیکھا جائے تو عربوں نے اپنے دورِ عروج میں یورپ کی زبان و علم اور ثقافت و معاشرت کو متاثر کیا۔ اور جب یورپ علم و طاقت کا دھنی قرار پایا تو اس نے چہار اطرافِ عالم کو ہر زاویے سے متاثر کیا۔ یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ تاریخ و ادب میں نوآبادیت کی اصطلاح پہلی دفعہ یورپی اقوام کی انھی ترک تازیوں کے لیے استعمال ہوئی جو اب ادب و سیاست کی ایک معروف اور اہم اصطلاح ہے۔

فرانز فینن کے مطابق نوآبادیت کی بنیاد تشدد و زیادتی پر ہوتی ہے، اس لیے یہ محکوم قوم کے افراد کو کئی قسم کے بحرانوں سے دوچار کر دیتی ہے۔

"Violence is the foundation of the colonial regime, and therefore inevitably plays a role in its overthrow." (۶)

نوآبادیت سب سے پہلے جو حق چھینتی ہے وہ آزادی ہے۔ آزادی کے سلب ہونے سے کئی اور حقوق خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ محکوم قوم اپنی بنیادی شناخت کھو دیتی ہے، زمین زاد کا اپنی جنم بھومی ماں سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ زمین و افراد کے لابدی تعلق کے درمیان غیر حائل ہو جاتے ہیں، نہ ان کی پرانی شناخت باقی رہتی ہے اور نہ نئی شناخت میں ان کا کوئی کردار ہوتا ہے۔ ان کی سوچ اور فکر کے سوتوں کا بہاؤ متاثر ہو جاتا ہے۔ اس ذہنی و فکری بربادی کے بعد ان کے وسائل کا گلا بھی گھونٹ دیا جاتا ہے۔ ان کا آزادیٔ اظہار و گفتار کا حق باقی نہیں رہتا۔ ان کی

سوچ و فکر پر پہرے لگ جاتے ہیں۔اس لیے نو آبادیت کا گھاؤ بہت گہرا ہوتا ہے جو آسانی کے ساتھ مندمل نہیں ہو پاتا۔اس کے اثرات صدیوں جاری رہتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند طویل سو سال تک انگلستان کی نو آبادی رہا ہے۔ یہاں فرنگی نو آبادکار نے شرق شناسی کی حکمت عملی اپناتے ہوئے نو آبادی کو احساس کمتری میں دھکیل دیا۔اسے یہ باور کرایا کہ اس کی مقامی زبان اس قابل نہیں کہ اس میں ادب تخلیق کیا جاسکے۔ان کا ادب احساسات وجذبات کی ترجمانی کا اہل نہیں نہ ہی وقت کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ وہ ایک غیر مہذب قوم ہے جسے تہذیب یافتہ بنانے کی ضرورت ہے۔ان کی ثقافت مغربی ثقافت کے آگے کچھ بھی نہیں اس لیے انگریز ان مقامی باشندوں کی اصلاح کر کے مہذب بنانے آئے ہیں مگر ان سب کے پس پشت وہی استحصال مقصود تھا جس سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ یہاں کی نو آبادی جدوجہدِ آزادی کے دوران جن فسادات اور قتل وغارت سے گزری وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک ایسا ٹراما تھا جس نے اس قوم اور ان کی نسل کی پہچان اور اجتماعی سوچ یکسر بدل کر رکھ دی۔ذہنی انتشار اور اس پر احساس کمتری نے اسے ایک ایسی کیفیت سے دوچار کر دیا جہاں وہ دو دنیاؤں میں معلق ہو کر رہ گیا۔ہندوستان کا یہ باشندہ اپنی پہچان اور ثقافت کمتر ہونے کے باعث اپنا تہذیبی تشخص تو کھو چکا تھا لیکن یورپ کی تہذیب وثقافت کو بھی اپنا نہ سکا۔ نتیجتاً نو آبادکار کے مفروضوں کے تحت وہ ایک نفسیاتی بحران کا شکار ہو گیا۔انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریزوں نے کمزور اقوام کو مربوط منصوبہ بندی کے تحت نو آبادی بنایا اور ان پر اپنا تسلط قائم کیا۔ برطانیہ چونکہ طویل عرصے تک اپنی سیاسی، فکری، علمی اور تہذیبی طاقتوں کے ساتھ یہاں قابض رہا اس لیے ان نو آبادکاروں کا ثقافتی پھیلاؤ یہاں کے باشندوں کے نہ چاہنے کے باوجود غالب رہا۔

ادب چونکہ جذبات کا اظہار ہے اس لیے ہندوستان کے ادب میں نو آبادی اور پس نو آبادی رجحان کا منعکس ہونا ناگزیر ہے۔ خاص طور سے اردو فکشن میں نو آبادیاتی اثرات پر اچھی خاصی تحریریں وجود میں آئی ہیں۔الطاف فاطمہ جو اردو کے افسانوی ادب کا ایک روشن نام ہے کی تحریروں میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ان کی تخلیقات نہ صرف تانیثی حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں بلکہ ہجرت اور تقسیمِ ہند کا موضوع بھی ان کی تحریروں میں رچا ہوا ہے۔ چونکہ الطاف فاطمہ خود ہجرت کے کرب سے گزری ہیں اس لیے ان کی تحریروں میں نو آبادی اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں اور ناولوں دونوں میں یہ رنگ کبھی منظر پہ اور کبھی پس منظر میں موجود رہتا ہے۔ان کی تحریروں میں یہ رنگ آپ بیتی اور اصلیت کی عکاسی کے روپ میں نظر آتا ہے۔ان کی واقعہ نگاری اور کردار نگاری دونوں حقیقت سے مملو ہوتی ہیں اس لیے بھرپور تاثیر کی حامل ہوتی ہیں۔

''چلتا مسافر'' الطاف فاطمہ کا ایک اہم ناول ہے۔ یہ ناول ان کی تحریروں میں نوآبادیت کے اثرات کی نمائندگی کرتا ہے۔ ناول کا کینوس تین نسلوں پر پھیلا ہوا ہے جو نوآبادیاتی ہندوستان سے شروع ہو کر پس نوآبادیاتی اثرات کے بیانیے کے ساتھ برصغیر کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول ہندوستان سے شروع ہو کر بنگلہ دیش سے ہوتا ہوا پاکستان پر ختم ہوتا ہے۔ ناول کا مرکزی موضوع بہاری مسلمان ہیں جو ہند کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک میں شامل رہے لیکن آزادی کے بعد انھیں شناخت و تعلق کے سلسلے میں آگ و خون کے دریا اور ٹراما کی شدید کیفیات سے گزرنا پڑا۔ اس ناول میں الطاف فاطمہ نے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو نوآبادیت کے بُرے اثرات کا شکار ہوتے دکھایا ہے اور نوآبادیت کا مکروہ چہرہ بے نقاب کیا ہے۔

شناخت کا مسئلہ انسانی تہذیب و تمدن میں ایک اہم نکتہ رہا ہے۔ ویسے تو ہر انسان دوسرے انسانوں سے مختلف ہے اور اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ لیکن وسیع تناظر میں بات کرتے ہوئے قیامِ شناخت کی چار بنیادیں نظر آتی ہیں: نسل، زبان، جغرافیہ اور مذہب۔ نسل انسانی شناخت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ جو لوگ ایک ہی آبا کی اولاد ہوں ان کی شناخت ایک سمجھی جاتی ہے۔ ابتدائی طور پر یہی شناخت انسانی تمدن کی بنیاد بنی۔ ایک آباء کی اولاد نے ایک قبیلہ و قوم بنائی اور ایک ساتھ رہتے رہے۔ تمدن کے ارتقا میں دوسرا جز زبان رہا۔ زبان بھی قرب کی بنیاد پر بنتی ہے اور قریب قریب رہنے والے انسان ہی زبان کی تشکیل و تخلیق میں شریک رہے۔ اسی طرح اشتراکِ جغرافیہ و علاقہ تمدن کے ارتقا کی تیسری کڑی ہے۔ یہ جسمانی قرب کا تیسرا درجہ ہے۔ جو لوگ زمین کے ایک خطے پر سکونت اختیار کیے رہے ان میں زمین کے اشتراک نے ایک مضبوط رشتہ بھی قائم کیا۔ مذہب و عقیدہ ارتقائے تمدنِ انسانی کی چوتھی کڑی ہے۔ مذہب انسانوں کے درمیان روحانی اشتراک قائم کرتا ہے۔ انسانی تمدن میں وجودیات، اخلاقیات اور روحانیات کی تشکیل اسی عنصر کی مرہونِ منت رہی۔ آج کا ترقی یافتہ انسان بھی انھی بنیادوں پر اپنا تعلق قائم کیے ہوئے ہے۔ آج بھی دنیا میں دوستی و دشمنی اور قربتیں و فاصلے انھی کے ذریعے قائم ہیں۔

شناخت کے قضیے کو مقامی اور بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو اس کے دو پہلو سامنے آتے ہیں، بین الاقوامی شناخت اور مقامی شناخت۔ بین الاقوامی شناخت سیاست و جغرافیے کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اس کو حدود و سرحدات کے پیمانوں سے دیکھا جاتا ہے اور ایک قوم (ملک) کو دوسری قوم سے ممیز کیا جاتا ہے۔ اس میں نسل، زبان اور مذہب کے پیمانے نہیں دیکھے جاتے۔ بس جو انسان زمین کے ایک خاص خطے میں رہتے ہوں وہی اس کی شناخت ہوتی ہے۔ آج کی دنیا میں پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اسی شناخت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس درجہ بندی کا دوسرا زمرہ مقامی شناخت ہے جو عموماً نسل و زبان کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ کہیں کہیں مذہب کا حوالہ بھی اس میں کارفرما نظر آجاتا ہے۔

اس کی پہچان کا سب سے بڑا وسیلہ زبان قرار پاتی ہے، نسل و رنگ بھی اس سلسلے میں بعض حالات میں معاونت کرتے ہیں۔ تیسرا تناظر دولت و وسائل کا ہے جو بین الاقوامی و مقامی ہر سطح پر جاری و ساری ہے۔

الطاف فاطمہ کے ناول "چلتا مسافر" کی بُنت میں شناختوں اور امتیازات کا بحران نوآبادیت کے نتیجے، عمیق اور دیرپا اثرات کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ناول میں ہندوستان کے ایک خاص علاقے "بہار" کے ایک مسلمان سید گھرانے کو مرکز بنایا گیا ہے۔ ناول کی ابتدا اس خاندان کی نوآبادیاتی ہندوستان کی شناخت کے ساتھ ہوتی ہے۔ ناول کے پس منظر میں قبل از نوآبادیات کی جھلکیاں بھی وقتاً فوقتاً ملتی ہیں۔ یہ وہ جھلکیاں ہیں جب ہندوستان میں ہندوستانی بستے تھے۔ وہ اس وقت بین الاقوامی شناخت کے زیرِ اثر تھے اور مقامی شناخت کے تعصبات ان پر حاوی نہ ہوئے تھے۔ یہ لوگ ہندوستانی تھے جن میں سے کچھ کا مذہب ہندومت تھا، کچھ کا بدھ مت اور کچھ کا اسلام، لیکن یہ سب امن و آشتی کے ساتھ ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ سبھی مذہبی گروہ آرام و سکون کے ساتھ اپنے رسوم و رواج و عبادات و عقائد کی انجام دہی کرتے تھے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کی عید اور قربانی پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی ہولی اور دیوالی و بیساکھی سے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ لیکن جب ہندوستان انگریزوں کی نوآبادی بن گیا تو کئی مسلمات تنازعات کی زد میں آگئے۔ زبان کی بنیاد پر نفرتوں نے سر اٹھانا شروع کیا، اردو ہندی، عربی سنسکرت کے تنازعے وجود میں آگئے۔ ایک دوسرے کے رسوم و عبادات میں خلل اندازیاں شروع ہو گئیں اور نفرتوں کی دیواریں مضبوط اور اونچی ہوتی گئیں۔ ناول کی ابتدا ہی میں مذہب کی بنیاد پر شناخت کا قضیہ سامنے آجاتا ہے جب مسلمانوں کی بقر عید کے موقع پر ہندو مزاحمت کرتے ہیں اور گائے کا ذبیحہ کرنے والوں پر چھری اٹھالی جاتی ہے اور گائے کے خون کے ساتھ انسانوں کا خون بھی گرتا ہے۔

> "قربانی کی گائے پر چھری اٹھانے والوں پر ہندوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔۔۔۔ یہ تیسری بقر عید تھی کہ نمازیوں کے نماز سے واپس آنے کے بجائے کواڑوں کی کنڈیاں بج گئی تھیں۔" (۷)

اس ناول کا دوسرا اہم نکتہ مذہبی بنیاد پر تقسیمِ برصغیر ہے جو بلاشبہ انگریزی نوآبادیت ہی کا ثمر ہے۔ وہ لوگ جو ہزاروں سال سے باوجود مذہبی اختلاف کے ساتھ ساتھ رہ رہے تھے، اچانک ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں خنجر آگئے تھے اور دلوں میں نفرتوں کی آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ لیکن یہ تقسیم فطری نہیں تھی، منصوبہ بندی کے تحت کروائی گئی تھی "کہ صورت یہی بناؤ کی تھی"۔

"تم کیا یہ تو بڑے بڑوں کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ جوں جوں آزادی کی تحریکیں بڑھیں گی اور انگریز اپنے قدم اکھڑتے محسوس کرے گا'فساد کروائے گا"۔(۸)

اس طرح یہ اقتباس آتش زدہ حالات کی پوری عکاسی کرتا ہے:

"جلے ہوئے جھونپڑے'سنسان راستے اور افسردہ مکانوں کی بند کنڈیوں نے علاقے کا جائزہ لینے والوں کا استقبال کیا تھا اور جب باہمی بات چیت کے لیے دونوں فریق آپس میں مل جل کر بیٹھے تو سرخ شعلہ بار آنکھیں اور ضبط کی کوشش میں بار بار چبائے جانے والے ہونٹوں نے مزمل کو سخت بے چین کیا تھا۔"یہ کیا بات ہے؟ یہ کیا قصہ ہے؟"وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔وہ جس سے بات کرتا تھا'جس کی سنتا تھا۔ہر کوئی امن چاہتا تھا،آرام وسکون کا متمنی تھا۔سب خیریت چاہتے تھے۔پھر ایک دم یہ خون خرابہ کیسے ہونے لگتا ہے؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟اس طرح آزادی کس طرح ملے گی؟یوں تو ہم سب آپس ہی میں لڑ لڑ کر مر جائیں گے۔وہ سیاست،آزادی کی تحریکوں اور ہر قسم کے مطالبوں سے بیزار سا ہو گیا تھا۔عورتوں اور بچوں کی ڈری ڈری صورتیں،بند دکانیں،سونی گلیاں،کٹے ہوئے اعضا،پھٹے ہوئے سر اور گلی کی دیواروں پر چمکتے ہوئے خون کے چھینٹے"۔(۹)

ان حالات میں بھی جس کی کھوپڑی میں دماغ ہے اور وہ نفرت کے اس بازار میں اپنی سوچ کو متحرک کر سکتا ہے اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب نہیں ہونا چاہیے۔اسے اس طرزِ عمل کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔سمجھدار لوگوں کو کچھ کچھ اندازہ ہے کہ یہ سب ہو نہیں رہا کروایا جا رہا ہے۔

"بھئی'میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر دو قومی نظریے کو شروع ہی سے چھیڑا ہی نہ.......

"ہاں'اگر چھیڑا ہی نہ جاتا پھر بات ہی کیا تھی۔لیکن امیر حیدر،تم انصاف سے سوچو تو کہ یہ قصہ چھیڑا کس نے ہے۔"(۱۰)

اسی طرح یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ بہت مذہبی ہیں، وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔اس لیے ان کو ایک دوسرے سے متنفر کرنے اور انتشار کی آگ بھڑکانے کا سب سے مختصر اور مؤثر راستہ مذہبی شعائر سے ہو کے جاتا تھا۔ نفرت کے سوداگر یہ نکتہ خوب سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اسی چیز پر ضرب لگائی اور اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرے:

"اے بہنی! وخت کا کیا' وخت تو بدلنے کو ہی آوت ہے۔اب تم کون کون چیز کا پچھتاوا کرو گی۔ زمانہ بھی تو دیکھو' کون آن لگا۔ آئے دن تو دنگے فساد ہووت ہیں۔ میں تو دونوں عیدن پر اپنا کلیجہ پکڑے پھرت ہوں کہ دیکھو' اب کس کی آئے گی۔"

"ہاں دیکھو تو نامراد' ہماری ہی عیدوں کا ستیاناس کرتے ہیں۔ خالہ اماں نے بھی اپنی رائے دی۔

"ارے بھئی' بات یہ ہے کہ تمھارے بہنوئی جھوٹ تھوڑی کہتے ہیں کہ اب تو یہ مسلمانوں کو برداشت کرنے پر تیار ہی نہیں۔"(۱۱)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ نوآبادکار طاقت نے ہندوستانیوں کی متفقہ شناخت پر ضرب لگائی اور انھیں ہندو مسلمان میں تقسیم کر کے نفرتوں کی فصل لگائی جس نے آگے جا کر تباہی و بربادی کی ناقابلِ فراموش داستانیں رقم کر دیں۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو کا کلیہ اتنا کارگر ثابت ہوا کہ اس سے کئی کام لیے گئے اور بار بار لیے گئے۔ یہ تقسیم ایک ہی دفعہ نہیں ہوئی بلکہ تقسیم در تقسیم کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو تنگ نظری کی بنیاد بنا اور ہندوستان کے لوگ تقسیم ہوتے چلے گئے اور نفرتوں کی دیواریں اونچی اور مضبوط ہوتی گئیں۔ یہ تاریخ میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ انسانی تہذیب کا ارتقا ہی ان خطوط پر ہوا ہے۔ نوآبادکاروں اور نوآبادیات کے صرف نام بدلتے ہیں، باقی حیلے ہمیشہ وہی پرویزی ہی رہتے ہیں۔ انسانی تمدن کے ارتقا کے طویل سفر کا خلاصہ یہ چند الفاظ ہیں:

"نیم مہذب انسان رعایا میں اور رعایا عوام میں بدل گئی۔ سردار بادشاہ میں اور بادشاہ صدر و وزیراعظم میں بدل گیا۔ کھیت جاگیر میں اور جاگیر فیکٹری میں بدل گئی۔ دیومالا مذہب میں اور مذہب سائنس میں بدل گیا، لیکن حالات وہیں کے وہیں رہے۔ وہی طبقات، وہی استعمار، وہی استحصال اور وہی طاقت و ملکیت کا جنون۔"(۱۲)

"چلتا مسافر" کا تیسرا اہم پڑاؤ مابعد نو آبادیاتی تناظر میں نسلی و علاقائی شناخت و تعصب پر مبنی ہے۔اس تعصب نے یہاں کے انسان کو اس حد تک تقسیم کیا کہ ہر کوئی اپنی ذات کے خول میں مقید ہو گیا۔انسان انسانیت بھول گیا، وہ خود غرضی میں اس حد تک آگے نکل گیا کہ اسے اپنی ذات کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تقسیم کا فارمولا مزید حاوی ہوتا گیا۔ہر بندہ ذاتی مفاد کے لیے کسی نہ کسی اختلاف کو تقسیم کی بنیاد بنا کے اپنا مادی فائدہ حاصل کرنے میں جت گیا۔مزمل اس عمل کی نمائندگی کرتا ہوا کردار ہے۔مزمل جو ہندوستانی تھا۔ تقسیم نے اسے مسلمان بنا دیا اور اسے اپنا گھر بار چھوڑ کے مشرقی پاکستان ہجرت کرنی پڑی۔اس ہجرت میں اسے اپنی جائیداد و زمینوں کے علاوہ اپنے بڑے بھائی، چہیتی بہن اور دانش ور والد کی قربانی دینی پڑی۔آزادی کے حصول کی خاطر اس نے یہ سب کچھ سہا لیکن اس کے باوجود وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مسلمان کی شناخت اپنا کے مشرقی پاکستان ہجرت کرنے والا مزمل اس پڑاؤ پر پہنچ کے اپنی یہ شناخت کھو دیتا ہے کیوں کہ یہاں سب مسلمان ہیں اور اب مفاد پرست اس تقسیم پر قناعت نہیں کر سکتے۔انھیں اس شناخت کی کھوکھ سے کوئی اور شناخت نکالنی ہے تبھی وہ زیادہ وسائل پا سکیں گے۔پاکستان کے لیے اپنا سب کچھ لٹا کے آنے والوں کو "بہاری" کا نام دے دیا جاتا ہے۔یہاں مذہب و عقیدے کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ فائدہ علاقائی اور لسانی تقسیم میں ہے۔اس بنیاد پر کچھ لوگوں کو وسائل کے حق سے نکالا جا سکتا ہے۔سوانھیں بہاری قرار دے کے ان کے حقوق سلب کر لیے جاتے ہیں۔ان کی قربانی اور آزادی تو کجا، انھیں جینے کے حق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

> "دادی بیوی کو نئی زمین کی خاک میں سونپ دینے کے بعد وہ عجیب سے احساس سے دوچار تھا' جیسے اس کی ذات اور شناخت بدل گئی ہو۔"بھول جاؤ اپنے آپ کو بھی اور سب کو بھی"۔(۱۳)

ان کے خوابوں کی سرزمین، ان کی آزادی کی سرزمین، ان کی شناخت کی سرزمین ان کا وجود سہارنے کے لیے تیار نہ تھی۔ نفرتوں کی جو آگ برصغیر کی تقسیم سے لگی تھی وہ اور پھیلی تھی۔اس کو بجھانے کی بجائے اور ایندھن فراہم کیا گیا تھا۔اس گھرانے کی ایک نسل ایک شناخت کے لیے قربانی دے چکی تھی، اب اس نسل کی وہ شناخت قبول نہیں کی جا رہی تھی اور ان کے وجود کو ختم کر کے اس شناخت کو دفن کر دینے کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی۔

> "مزمل نے ظہر کی نماز دکان پر ہی شروع کر دی تھی۔ مسجد میں بڑی سیاست ہوتی۔بی ہاری لوگ کے ساتھ صف بستہ ہونا زمین کے بیٹے اب اچھا نہیں سمجھتے تھے۔یہ وہ لوگ تھے جو

صرف جگہیں چھیننے اور سیاست کرنے آتے تھے۔" (۱۴)

مزمل جو اپنے چہیتوں کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھ کے بھی نہیں ڈگمگایا تھا، لیکن آج اسے شدید ذہنی کرب اور ٹراما سے گزرنا پڑرہا تھا۔ حالات اتنے دگرگوں ہو گئے تھے کہ نہ مسجد میں محبت باقی رہی نہ یونیورسٹی میں علم۔مادی مفادات کی سیاست نے مسجد اور مدرسہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔بہار کے مسلمانوں کے لیے نہ مسجد میں جگہ رہی، نہ یونیورسٹی میں اور نہ اس ملک میں۔

"اب دن رات مدثر کو یہ دکھڑا تھا کہ پروفیسر سیاست کرتے ہیں، طالب علم سیاست کرتے ہیں، تعلیم کا ماحول نہیں۔یونیورسٹی سیاست، نفرت اور عداوت کا گڑھ بنتی جا رہی ہے۔ نفرت کرنا فیشن بنتا جاتا ہے۔"(۱۵)

وہ لوگ جو دو عشرے پیشتر بھائی بھائی بن کے نوآبادکار حکمران کو للکار کے نکال رہے تھے، آج وہی لوگ اس کے زیرِ اثر آکر ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ زمین کی بنیاد پر شناخت کا کلیہ اپنایا جارہا تھا۔ماضی کے بھائی چارے کو دفن کرکے مستقبل میں زیادہ وسائل بٹورنے کی منصوبہ بندی کی جارہی تھی۔اور جب ہر طرف خون آشامی کا بازار گرم ہو گیا جس میں بچوں، لڑکیوں اور جوانوں کو نشانہ بنایا جانے لگا تو منصوبہ ساز بھی برداشت نہ کر سکے۔ان کے دماغ بھی ماؤف ہونے لگے،ان کے دل و جگر بھی پھٹنے لگے:

"تم آگئے؟ابھی تک زندہ ہو؟تم کو غیرت نہ آئی؟مزمل صاحب'ڈوب کر مر جاؤ۔لڑکیاں، کنیائیں، پھولوں کے ہار لے کر قطار در قطار چلی جارہی ہیں۔وہ پھول خون میں ڈوب گئے ہیں۔ان میں سے باس آرہی ہے۔"(۱۶)

باضمیر لوگ حالات کی نبض پرکھ چکے تھے۔انھیں آگ کے شعلے بھڑکنے سے پہلے تپش کا احساس ہونے لگا تھا۔وہ ہدف قرار دیے جانے والوں کو وہاں سے نکلنے کا کہہ رہے تھے۔ جس نے ان کی بات سنی وہ محفوظ رہے؛جو بدلتے حالات کا ادراک نہ کر سکے وہ آگ کا ایندھن بن گئے۔ پس نوآبادیاتی نفرت کے نئے میدان کے بذلل اور متاثر ہونے والے خاندان کی سلسبیل کی گفتگو میں تیزی سے بدلتے حالات اور اس کے دہشت خیز نتائج کی نشان دہی ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

"ہر جگہ اور ہر موقع پر'تم مجھے اتنے نرم اور ملائم نظر آتے تھے۔ تمھاری آنکھوں میں، تمھاری آواز میں مدھ ہی مدھ اور امرت ہی امرت ہوتا تھا۔اور اب تمھیں ہوا کیا جارہا ہے؟دل چاہتا ہے تمھیں تمھاری

آواز ٹیپ کر کے سناؤں۔ہاں' تمھاری نئی آواز، کتنے کڑوے بول بولے ہیں آج تم نے۔اور اب تم ہنستے بھی نہیں، ہنساتے بھی نہیں۔ تھوکو نا یہ کڑواپن۔"

وہ بڑے دکھ سے کہنے لگا" کیسے تھوک دوں۔ میں نے کریلے چاب لیے ہیں۔میرے اندر تھوہر اور کوڑھ تونبے اگ رہے ہیں 'کالے ناگ جنم لے رہے ہیں۔یہ پورا ماحول مواد سے بھرا پھوڑا بن چکا ہے۔"(۱۷)

نفرت سے نفرت کرنے والے بذلل کی یہ باتیں بھی ملاحظہ فرمائیے:

"آدمی کو بدلتے کتنی دیر لگتی ہے۔میں تو لڑکیوں کی باہیں پکڑ کر گھسیٹوں گا'ان کے چہرے مسخ کروں گا۔گھروں میں آگ لگاؤں گا۔بوڑھے باپوں کے سامنے ان کے بیٹوں کو ذبح کروں گا۔ن۔بھاگ جاؤ لڑکی' یہاں سے چلی جاؤ"۔وہ بہت دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔"انسانوں کے اندر درندے جنم لے رہے ہیں۔میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔مجھے بھی نفرت کرنا آتی ہے۔حقارت نفرت کو جنم دیتی ہے۔"(۱۸)

وہ زبان جس پر ہندوستان بھر کے مسلمان فخر کرتے تھے اور ہندوؤں کے ساتھ لڑتے تھے۔جس کو وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشانی سمجھتے تھے۔آزادی کے بعد وہ زبان بھی اپنا مقام کھو بیٹھی۔اب بنگلہ زمین کے بیٹوں کی زبان بن گئی اور اردو بہاریوں کی۔اردو اب مسلمانوں کا قابل فخر ورثہ نہ رہی بلکہ بہاریوں علامت بن گئی جس کے لیے اس سرزمین پر کوئی جگہ نہ تھی۔

"ان کی ساری دوستی اسی زبان کے سہارے چل رہی تھی جس کے سوال پر اسی کیمپس میں خون بہایا گیا تھا۔"(۱۹)

"جب کوئی قوم کسی دوسری غالب قوم سے شکست کھا جاتی ہے تو کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک وہ احساسِ کمتری سے باہر نہیں نکلتی"۔(۲۰)

یہ احساسِ کمتری پھر کئی شکلوں میں سامنے آتی ہے۔اپنے سے کمزور پر تشدد اور ظلم سے اپنی شکست کا خوفناک انتقام بھی اسی کا ایک روپ ہے جو یہاں ہر طرف ساری نظر آرہا ہے۔

مشرقی پاکستان کی زمین اب ان لوگوں پر تنگ کردی گئی تھی جنھوں نے اس کے لیے اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ جو اپنا ماضی، اپنا حال، اپنا مستقبل سب اس ملک سے وابستہ کر چکے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں ایک بار پھر سے اپنے گھر بار چھوڑ کے بے شناختی کی قیامت سے گزر کے موت کا سامنا کرنا تھا۔

"آج میرا باپ دوسری اور میں پہلی مرتبہ اپنا گھر چھوڑ رہے ہیں۔ کیا تمام دنیا میں ایسے انقلاب آتے ہیں کہ لوگ آئے دن بے گھر ہوتے رہتے ہیں، یا صرف یہ ہمارا ہی مقدر ہے۔"(۲۱)

ہجرت در ہجرت، سفر در سفر، امتحان در امتحان، عدم شناخت در عدم شناخت، کرب کے اندر کرب آزادی کے ان متوالوں کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔ یہ لوگ اندر باہر ہر طرح جل رہے۔ ان کو سمجھ نہیں آرہی، ان کو یقین نہیں آرہا کہ اپنے خوابوں کی سرزمین پر ان کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان حالات کی گھمبیرتا کے بارے میں رضوانہ صفدر لکھتی ہیں:

"ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مسلمانوں نے تو ہجرت کے کرب کو ایک بار سہہ لیا اور جیسے تیسے اپنے جی کو سمجھا کر ماحول سے مطابقت اختیار کر لی اور آخر کار نئے ماحول میں اپنی جگہ بنانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن بہار کے مسلمان جنھوں نے مشرقی پاکستان ہجرت کی اور اس وطن کو جی جان سے اپنا سمجھا اس بات سے بے خبر رہے کہ ایک دن انھیں تقسیم کے کرب کو دوبارہ سہنا پڑے گا۔ وہ تقسیم جو اسلام کے نام پر نہیں بل کہ ایک اسلامی ملک میں جغرافیائی قومیت اور لسانی تعصب کی بنا پر کی جائے گی۔"(۲۲)

جس پاک مقصد کے لیے انھوں نے اپنوں کے خون کی قربانی دی تھی، جس کے لیے انھوں نے اپنی صدیوں کی شناخت چھوڑی تھی، جس وطن کے لیے انھوں نے اپنی جاگیر اور عزتیں چھوڑ دی تھیں، آج وہی عمل ان کا جرم قرار دیا جا رہا تھا۔ اسی نام پر ان کی زندگی ایک عذابِ مسلسل بنائی جارہی تھی۔

تبھی تو "اس کی ماں ہر تازہ الجھن اور مشکل پر پاکستان کو کوسنے بیٹھ جاتی ہے"۔(۲۳)

یہ سب کچھ ایک ایسے ملک میں ہو رہا تھا جو کچھ ہی عرصہ پہلے مشترک عقیدہ، مشترک نظریہ کی بنیاد پر بنا تھا۔ لیکن آج اسی ملک میں وہی شناخت دفن ہو رہی تھی جو کبھی اس کی بنیاد بنی تھی۔ رضوانہ صفدر کے الفاظ میں:

"ادھر مشرقی پاکستان کے بہاری مسلمان ایک نئے ذہن و کلچر کے تحت منتقل ہوئے لیکن خود مشرقی پاکستان میں جو آزادی کی لہر موجود تھی اور بنگالی جو رویہ اختیار کرنے والے تھے اس سے یہ ناآشنا تھے۔ ۔۔۔ایک ہی ملت و مذہب کے دو علاقوں کے لوگ کتنی شدید نفرت، قتل و غارت اور تہذیبی بحران کے شکار ہوئے اس کی بھرپور عکاسی اس ناول میں ملتی ہے۔" (۲۴)

یہ وہی ملک تھا جس کے لیے سب نے مل کر قربانی دی تھی، سب نے مل کر آزادی لی تھی۔ سب نے ایک زمین پر ایک ہو کر رہنے کے خواب بنے تھے لیکن اب ہجرت کر کے آنے والے پھر سے کٹ رہے تھے، لٹ رہے تھے، اور کاٹنے مارنے والوں میں سے حساس لوگ یہ سب دیکھ کے چلا رہے تھے:

"جوئے خوں چڑھتے چڑھتے قلزمِ خوں بن چکی ہے۔ چڑھی ندی کو اتارو، چڑھی ندی کو اتارو۔" (۲۵)

حاصلات:

"چلتا مسافر" میں شناخت کی طاقت اور اس کی عدم موجودگی میں انسان کی نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ اور سماجی کمزوری کو فنکارانہ مہارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ناول کی کہانی میں شناخت کے۔۔۔ حوالے ٹوٹتے ہیں تو مضبوط اعصاب کا حامل مزمل بھی تنہا و کمزور ہو جاتا ہے۔

- شناخت کی پہلی بنیاد نسل ہوتی ہے، پھر جغرافیہ، پھر زبان اور مذہب۔ مزمل اور اس کا خاندان مذہب و عقیدے کو ترجیح دیتے ہوئے نسل اور جغرافیہ کی شناخت کو خود چھوڑ دیتے ہیں، جب کہ زبان کی شناخت ان کے ساتھ رہتی ہے۔
- جغرافیائی شناخت (بِہار) کو وہ تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن سیاسی حالات ایسی کروٹ بدلتے ہیں کہ ان کی چھوڑی ہوئی شناخت ان کی پہچان قرار دی جاتی ہے اور اسی کی بنیاد پر ان کی نئی شناخت ان سے چھین لی جاتی ہے۔
- سیاسی اتھل پتھل میں ان کی لسانی شناخت (اردو زبان) بھی ان کے لیے نقصان و مصائب کا باعث بن جاتی ہے۔
- ملکی و سیاسی شناخت (پاکستانی) بھی ان سے چھن جاتی ہے کیونکہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن جاتا ہے۔
- دولت و جائیداد کی شناخت کو وہ مذہب و آزادی پر وار چکے ہوتے ہیں اس لیے وہ اس شناخت سے بھی محروم رہتے ہیں۔

نتیجہ:

"چلتا مسافر" میں شناخت کی طاقت پیش کی گئی ہے۔ناول کے مرکزی کردار اپنی شناخت پر فخر کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں اپنی پوری زندگی لگا دیتے ہیں۔وہ شناخت کے المیے سے گزرتے ہیں کیوں کہ وہ جو شناخت بنائے ہوئے ہیں وہ شناخت ان کی طاقت بننے کی بجائے ان کی کمزوری بن رہی ہے۔مزمل بہار میں رہنے والے ہندوستانی مسلمان کی شناخت سے سفر شروع کرتا ہے لیکن آخر میں وہ صرف بہاری کے طور پر جانا جاتا ہے۔اس کے شناخت کے باقی سب حوالے اپنی طاقت کھو بیٹھتے ہیں۔

مزمل کے کردار کی آخری علامت مدثر ہے جو 'چلتا مسافر" ہے اور ابھی بے شناخت ہے۔وہ شناخت کی تلاش میں ہے۔

مگر وہ تھا کون؟

"چلتا مسافر"۔۔۔

"چلتا مسافر ہے سلمان! بس چلتا رہے گا، چلتا رہے گا۔ٹیکسلا سے حویلیاں۔۔۔۔حویلیاں سے
ٹیکسلا"۔(۲۶)

ایک شناخت مدثر کے دادا کی تھی جو اس کے باپ کے ساتھ پس نو آبادیاتی ڈھاکہ پہنچ گئی تھی جہاں وہ اپنی تاثیر کھو گئی تھی۔ایک شناخت اس نے خاک اور خون کے سفر سے گزر کر پاکستان پہنچنے کے بعد بنائی ہے جو معلوم نہیں کب بنے گی، اور بنے گی بھی یا نہیں۔یہ ایک نئے سفر کی ابتدا ہے، ایک نئ منزل کی علامت ہے۔لیکن یہ سب نو آبادیت کے اثرات کی دین ہے، جس سے برصغیر کی اقدار، تہذیب، رشتے اور شناخت سب اتھل پتھل کی ذیل میں آیا ہے، اور جس کی منزل ابھی نہیں آئی، جانے کب تک چلنا پڑے گا، جانے کب نئ آزاد و مستحکم شناخت قائم ہو گی۔

حوالہ جات

۱۔روش ندیم،ڈاکٹر (پیش لفظ)،اردو ناول کا نوآبادیاتی مطالعہ از ریاض ہمدانی، فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۸ء،ص ص ۱۰-۱۱

۲۔ Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, Ferozsons (Pvt) Limited, Rawalpindi, 1998, p. 221

۳۔ Colonialism, https://plato.stanford.edu/entries/colonialism, retrieved on April 18, 2023

۴۔ What is Colonialism? Definition and Examples, https://www.thoughtco.com/colonialism-definition-and-examples-5112779,retrieved on17,04,2024.

۵۔ The Cambridge Dictionary of Sociology, (Ed. Bryan S. Turner), Cambridge University Press, New York, 2006, P.79

۶۔ Colonialism, https://plato.stanford.edu/entries/colonialism, retrieved on April 18, 2023

۷۔الطاف فاطمہ،چلتا مسافر،پاکستان کنکشنز،۲۰۲۳،ص ۳

۸۔ایضاً،ص ۴۴

۹۔ایضاً،ص ۳۹

۱۰۔ایضاً،ص ۳۷

۱۱۔ایضاً،ص ص ۳۱-۳۲

۱۲۔روش ندیم،ڈاکٹر (پیش لفظ)،اردو ناول کا نوآبادیاتی مطالعہ از ریاض ہمدانی، فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۸ء،ص ۱۱

۱۳۔الطاف فاطمہ،چلتا مسافر،ص ۱۰۷

۱۴۔ایضاً،ص ۱۱۷

۱۵۔ایضاً،ص ۱۰۷

۱۶۔ایضاً، ص۲۳۱

۱۷۔ایضاً، ص۲۳۷

۱۸۔ایضاً، ص۲۳۷

۱۹۔ایضاً، ص۱۰۶

۲۰۔ریاض ہمدانی، اردو ناول کا نوآبادیاتی مطالعہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۱۳۱

۲۱۔ ۲۱۔الطاف فاطمہ، چلتا مسافر، ص۱۸۳

۲۲۔رضوانہ صفدر، سائرہ بتول، محمد احمد قادری، الطاف فاطمہ کے ناول 'چلتا مسافر' میں المیہ عناصر، تحقیقی جریدہ، جلد۵، شمارہ ۱، ۲۰۲۱ء، ص۱۴۹

۲۳۔الطاف فاطمہ، چلتا مسافر، ص۱۰۸

۲۴۔رضوانہ صفدر، سائرہ بتول، محمد احمد قادری، الطاف فاطمہ کے ناول 'چلتا مسافر' میں المیہ عناصر، تحقیقی جریدہ، شمارہ۹، ص۱۵۳

۲۵۔الطاف فاطمہ، چلتا مسافر، ص۲۳۳

۲۶۔ایضاً، ص ص۲۵۳- ۲۵۴

References:

1. Ravish Nadeem, Dr.(Preface), ‘Urdu Novel ka No-Abadiati Mutaala’ by Riaz Hamdani, Fiction House, Lahore, 2018, pp. 10-11
2. Oxford Advanced Learner’s Dictionary of Current English, Ferozsons (Pvt) Limited, Rawalpindi, 1998, p. 221
3. Colonialism, https://plato.stanford.edu/entries/colonialism, retrieved on April 18, 2023
4. What is Colonialism? Definition and Examples, https://www.thoughtco.com/colonialism-definition-and- examples-5112779, retrieved on 17/04/2023
5. The Cambridge Dictionary of Sociology, (Ed. Bryan S. Turner), Cambridge University Press, New York, 2006, p.79

6. Colonialism, https://plato.stanford.edu/entries/colonialism, retrieved on April 18, 2023.
7. Iltaf Fatima, Chalta Musafir, Pakistan Connections, 2023, p. 3
8. Do., p. 44
9. Do., p. 39
10. Do., p. 37
11. Do., p. 31-32
12. Ravish Nadeem, Dr.(Preface), 'Urdu Novel ka No-Abadiati Mutaala' by Riaz Hamdani, p. 11
13. Iltaf Fatima, Chalta Musafir, p. 107
14. Do., p. 117
15. Do., p. 107
16. Do., p. 231
17. Do., p. 237
18. Do., p. 237
19. Do., p. 106
20. Riaz Hamdani, Urdu Novel ka No-Abadiati Mutaala, Fiction House, Lahore, 2018, p. 131
21. Iltaf Fatima, Chalta Musafir, p. 183
22. Rizwana Safdar, Sayera Batool, Muhammad Ahmad Qadri, Iltaf Fatima ke Novel 'Chalta Musafir' mai Almia Anasir, Tehqiqi Jareeda, Vo. 05, Issue 01, 2021, p. 149
23. Iltaf Fatima, Chalta Musafir, p. 108
24. Rizwana Safdar, Sayera Batool, Muhammad Ahmad Qadri, Iltaf Fatima ke Novel 'Chalta Musafir' mai Almia Anasir, p. 153
25. Iltaf Fatima, Chalta Musafir, p. 233
26. Do., pp. 253-254

❖ **Remittances Review 9 (No:1), 2381-2410**

https://remittancesreview.com/menuscript/index.php/remittances/article/view/1456/871

❖ **Jahan Tahqeeq, V.4 NO.2, P.no. 365-368,**

http://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/536/441

❖ **Alhamd،Vol.13،P.No.145-152**

http://alhamd.aiu.edu.pk/ wp- content/uploads/2020/07/is sue-13-13-rubina- raheed.pdf

❖ **Makhz، Vol 2, No IV, P.No.43-51**

https://makhz.org.pk/article/impacts-of-the-partition-of-hind-on-a-hameed-s-novel-darbay

❖ **Journal of positive school psychology, Turkey, Vol. 7 No 4, P.No. 747-754**
https://journalppw.com/index.php/jpsp/article/view/16433/10452